R. No. 2186/5

Regd. No. L. 922.

انجمن ترقی اردو ہند کا ہفتہ وار اخبار

ہماری زبان

Date 1-8-15-22

Phone 29

Annual Rs. 4/-

Per Copy -/12 P

جلد ۲۶ - شمارہ ۶ | ایڈیٹر: آل احمد سرور | ۸ر فروری ۱۹۶۷ء

اداریہ

یہ چناؤ

آج کل عام چناؤ کی وجہ سے سارے ملک میں ایک ہنگامی کیفیت ہے۔ دنیا کی سب سے بڑی جمہوریت میں عوام کو اپنی مرضی کی حکومت انتخاب کرنا ہے۔ ظاہر ہے کہ چناؤ کی اہمیت سے کوئی انکار نہیں کر سکتا، مگر اسے سب کچھ سمجھنا بھی غلط ہوگا۔ موجودہ حالات میں جبکہ ملک کا بڑا حصہ تعلیم سے محروم ہے، عوام کو آسانی سے نعروں کی بنا پر بہکایا جا سکتا ہے اور اگرچہ وہ پہلے سے زیادہ ہوشیار ہو گئے ہیں، مگر اب بھی علاقائی، لسانی، مذہبی، فرقہ وارانہ، تہذیبی، نسلی پاسداریوں اور مطالبات سے بلند نہیں ہو سکے ہیں۔ برسر اقتدار پارٹی کا ریکارڈ چونکہ خاصا مایوس کن رہا ہے اس لیے مخالف پارٹیاں حالات کا سارا الزام اس کے سر تھوپ رہی ہیں۔ اس کی ذمے داری سب سے زیادہ ہے، مگر ملک کی عام حالت، ذہنوں کی عام کیفیت، روایت اور ماضی پرستی، اوہام پرستی، ذات پات اور مذہب اور زبان اور علاقوں کی تہذیب کے جھگڑے اور سب سے زیادہ جدید دور میں ازمنۂ وسطیٰ کے ذہن کی موجودگی نے بھی ہماری مشکلات میں اضافہ کیا ہے۔ پھر صدیوں کی غلامی نے فرد کو ذمے داری کے احساس سے محروم کر دیا ہے اور وہ دوسروں پر ساری ذمے داری ڈال کر اپنے کو بے گناہ سمجھنے لگتا ہے۔ اس صورت حال سے تمام سیاسی پارٹیاں فائدہ اٹھاتی ہیں۔ یعنی اقتدار حاصل کرنا سب سے بڑی چیز ہے۔ اقتدار کس لیے اور کس مقصد کی خاطر، اس کا ذکر عوام کو بہلانے کے لیے تقریروں میں اور کچھ اخباروں میں کر دیا جاتا ہے مگر مقصد اس سے یہ ہے کہ کسی نہ کسی طرح اقتدار حاصل کرنا ہی سب بیماریوں کا علاج ہے۔ دراصل یہ اپنی ناک سے آگے نہ دیکھنے کا مرض ہے۔ موجودہ حالات میں عام چناؤ کے ذریعے سے کسی بنیادی تبدیلی کی امید کرنا درست نہ ہوگا۔ یہ چناؤ موجودہ بے اطمینانی کو ضرور ظاہر کرے گا اور اس کی وجہ سے کچھ اتھل پتھل ضرور ہوگی۔ کہیں کہیں کچھ تاج گر پڑیں گے اور کچھ نئے لوگ آ جائیں گے، مگر مجموعی طور پر کچھ تبدیلی سے ڈرنے کی وجہ سے، کچھ آسانیوں اور سہولتوں کے جاری رہنے کے لالچ میں، کچھ روپیہ یا پروپیگنڈے یا تعلیم کے اثر سے، یہی سیاسی ڈھانچہ پھر تھوڑی سی تبدیلی کے بعد کامیاب ہو جائے تو تعجب نہ کرنا چاہیے۔

وجہ یہ ہے کہ ہمارے بنیادی مسائل پر غور نہیں ہو رہا ہے۔ سیکولر اور جمہوری نظام کے کچھ تقاضے ہیں۔ ان کی روح کو برقرار رکھنے کے لیے کچھ عملی قدم اٹھانے چاہئیں۔ چونکہ اس نظام کو کامیاب بنانے کے لیے تعلیم سب سے ضروری ہے اس لیے تعلیم پر سب سے زیادہ زور دینا چاہیے اور چونکہ تعلیم اپنی زبان کے ذریعے ہی بہتر ہو سکتی ہے، اس لیے اس کے راستے میں کوئی رکاوٹ نہیں ہونی چاہیے۔ مگر ان کاموں کو قومی اور جمہوری مفاد کی خاطر دور کرنے کے لیے ابھی تک کوئی گہرا جذبہ نہیں ہے۔ دوسرے تمام کاموں کو خوش اسلوبی سے چلانے اور سماج کے ہر طبقے کو اس کا حق دینے کے لیے، غذائی مسئلے کو حل کرنا ہے اور پیداوار کو ہر چیز پر مقدم رکھنا ہے۔ یہ بھی نہیں ہوا ہے پھر اچھے انتظام اور قانون کی حکومت کو گاؤں کی حد تک نافذ کرنا ہے اس پر بھی پوری توجہ نہیں ہے۔ پھر سرکاری کاموں میں ایک طرف کفایت اور دوسری طرف صلاحیت کو عام کرنا ہے۔ یہاں اسراف ہے اور صلاحیت کا پتہ نہیں اور اگر صلاحیت ہے تو صرف ڈنڈا چلانے کی۔ ان سب چیزوں پر فرد کو بھی زور دینا ہے اور حکومت کو بھی۔ اس وقت جمہوریت کے فوائد سامنے آ سکیں گے۔ موجودہ حالات میں اس کو زیادہ تر لوگ اپنے مقاصد کے لیے استعمال کر رہے ہیں۔

بچوں کا انعامی ادب برائے ۱۹۶۶ء

نئی دہلی، ۵ر فروری۔ جدید ہندوستانی زبانوں میں بچوں کے استفادے کے لیے شائع ہونے والی کتابوں کے بارہویں انعامی مقابلے کے نتائج کی بنیاد پر بارہ کتابوں اور دو مسودوں کو انعامات کے لیے چن لیا گیا ہے۔ یہ مقابلہ مرکزی وزارت تعلیم کی طرف سے منعقد ہوتا ہے۔ ہر انعام کے تحت ایک ہزار روپے نقد دیے جاتے ہیں۔ اس مقابلے میں اردو کی کتاب "انمول رتن" (مسودہ) انتخاب کی گئی ہے۔ اس کے مصنف جناب اطہر پرویز ہیں۔ ہندی میں بچوں کے لیے "دھرتی" نامی کتاب جو شری رام [illegible] سنگھ نے لکھی ہے انتخاب میں آئی ہے۔

(دعوت، دہلی)

فرحت مالیر کوٹلوی کا انتقال

میجر عبدالحمید خاں صاحب فرحت مالیر کوٹلوی ۱۵ جنوری ۱۹۶۷ء کو چار بجے شام عارضۂ قلب سے اچانک وفات پا گئے۔ مرحوم اردو کے خوشگو اور پختہ مشق شاعر تھے۔ آپ ۹ فروری ۱۹۰۵ء کو پیدا ہوئے۔ ان کے والد بزرگوار کرنل وادالمجلس مالیر کوٹلہ کی ریاستی افواج کے کمانڈر تھے۔ فرحت صاحب نے ابتدائی تعلیم مالیر کوٹلہ اور دہلی یونیورسٹی میں حاصل کی۔

مرحوم کو کالج میں تعلیم کے دوران شعر گوئی کا شوق ہوا۔ ابتدا میں نواب سراج الدین احمد خاں صاحب سائل دہلوی سے شرف تلمذ حاصل کیا۔ بعد ازاں علامہ بشیر حسن مالیر کوٹلوی سے بھی استفادہ کرتے رہے۔ بہت پختہ اور پاکیزہ شعر کہتے تھے ؎

یہ کس مقام پہ لے آئی زندگی فرحت
نہ آرزو ہے خوشی کی نہ شکوۂ غم ہے

(مرسلہ سورج تنویر چندی گڑھ)

دہلی میں "دہلی علمی مجالس" کا قیام

۱۱ دسمبر کو دہلی میں اردو زبان و ادب سے دلچسپی رکھنے والے دس بارہ حضرات نے جن کے نام حسب ذیل ہیں، یہ طے کیا کہ "دہلی علمی مجالس" کے نام سے ایک سوسائٹی کا قیام عمل میں لایا جائے اور اس کی طرف سے ایک تحقیقی سہ ماہی مجلہ شائع کیا جائے۔ علمی مجلس کے اس بنیادی جلسے میں جن حضرات نے مجلس کی بنا ڈالی وہ یہ ہیں:

مالک رام، ظل عباس عباسی، جگن ناتھ آزاد، نسیم احمد، علی اکبر ترمذی، امیر حسن عابدی، گوپی چند نارنگ، اسید اوصاف علی، تنویر علی علوی، عابد رضا بیدار، اور علی جواد زیدی۔

مجلس کا سہ ماہی مجلہ اپریل میں شائع ہو جائے گا۔ (نامہ نگار)

پروفیسر خواجہ احمد فاروقی کی روانگی روس اور امریکہ کو

پروفیسر خواجہ احمد فاروقی، صدر شعبۂ اردو دہلی یونیورسٹی کو ماسکو اسٹیٹ یونیورسٹی نے اردو زبان و ادب کے مہمان پروفیسر کی حیثیت سے ۱۰ فروری ۱۹۶۷ء کو ماسکو کے لیے روانہ ہوں گے۔ ماسکو کے دوران قیام وہ سوویت روس کی ان تمام یونیورسٹیوں میں لیکچر دیں گے جہاں ہندوستانی علوم کے شعبے ہیں۔

ڈاکٹر فاروقی کو دہلی یونیورسٹی نے مستشرقین کی عالمی کانگرس میں شرکت کے لیے بھی اپنا نمائندہ منتخب کیا ہے۔ یہ کانگریس ۱۹۶۷ء میں مشی گن امریکہ میں منعقد ہوگی۔

قاضی ظہیر الحسن سکریٹری شعبۂ اردو دہلی یونیورسٹی دہلی ۸

میر اکاڈمی کا انعام

اس سال میر ایوارڈ کی رقم ہزار سے بڑھا کر ساڑھے بارہ روپے کر دی گئی ہے۔ اس کے علاوہ میر تقی میر سے متعلق ۱۹۶۶ء کی بہترین تصنیف پر ایک طلائی تمغہ بھی دیا جائے گا۔

میر ایوارڈ ۱۹۶۶ء کی چھپی ہوئی اردو کی بہترین علمی، ادبی، تاریخی، تحقیقی تصنیف اور شعری مجموعے پر دیا جائے گا جس کا فیصلہ ایک کمیٹی کرے گی۔ انعام میں شامل کی جانے والی پانچ جلدیں ۱۵ مارچ ۱۹۶۷ء تک جنرل سکریٹری کے پتہ پر پہنچ جانی چاہئیں۔

مظفر احمد لاری جنرل سکریٹری آل انڈیا میر اکاڈمی
لاری ہاؤس، لکھنؤ

نصابی کتابوں کے قابل اعتراض حصے

کمیٹی نے عوام سے تجاویز طلب کر لیں

لکھنؤ، ۲۹ جنوری۔ حکومت یوپی نے نصابی اردو کی کتابوں کا جائزہ لینے کے لیے جو جائزہ کمیٹی مقرر کی ہے اس نے عوام سے تعاون کی اپیل کی ہے۔

کمیٹی نے کہا ہے کہ پہلی جماعت سے انٹر کے درجات تک زبان و ادب اور دیگر علوم کے بارے میں کتابوں کے وہ حصے جو کسی فرقہ کے مذہبی جذبات کو ٹھیس پہنچاتے ہوں وہ کمیٹی کے سامنے پیش کیے جائیں۔

جو افراد یا جماعتیں اس مسئلہ سے دلچسپی رکھتی ہیں وہ ایک ماہ کے اندر ایسے حصے پورے حوالہ کے ساتھ ٹیکسٹ بک اسکروٹنی کمیٹی کو پیش کر دیں۔

مسلم یونیورسٹی کے صدر شعبۂ تاریخ ڈاکٹر سید نور الحسن اس کمیٹی میں شامل ہیں۔ (قومی آواز لکھنؤ)

منشی پریم چند میموریل بنارس کا افتتاح

راجستھان کے گورنر مسٹر سمپورنانند نے آج یہاں سے تقریباً سات میل پر سماہی گاؤں میں جو منشی پریم چند کا جائے پیدائش ہے پریم چند میموریل کا افتتاح کرتے ہوئے کہا کہ اس عظیم اور معروف ناول نگار کی تخلیقات ایسی ہیں جو نہ صرف ہندوستانی ادب کے لیے مایۂ ناز ہیں بلکہ عالمی ادب میں بھی بیش بہا اضافہ ہیں۔

یہ یادگار کاشی ناگری پرچارنی سبھا نے بنوائی ہے۔

(قومی آواز لکھنؤ)

ریاستی انجمن ترقی اردو (یو۔پی) کا انتخاب

ریاستی انجمن ترقی اردو اتر پردیش کی تمام شاخوں کو مطلع کیا جاتا ہے کہ مرکزی انجمن کے جنرل سکریٹری صاحب نے ملک میں عام پنج سالہ انتخابات ہونے کی وجہ سے انجمن کی شاخوں کے انتخابات کا وقت بڑھا کر اپریل ۶۷ء کر دیا ہے۔ مارچ کے آخری ہفتے تک ممبر سازی کی جا سکتی ہے۔ اب شاخوں کے انتخابات اپریل ۶۷ء میں ہوں گے۔

(مسلم شبنم، ریاستی انجمن ترقی اردو (یو۔پی))

سید فضل المتین

داغ کے دو شاگرد

داغ اور اجمیر استاد جہاں داغ کی اجمیر میں آمد و رفت اور قیام سے اجمیر میں شعر و سخن کا ایک ایسا دور شروع ہوتا ہے جو چند وجوہات کی بنا پر اجمیر کی تاریخ ادب اردو میں ایک خاص اہمیت رکھتا ہے۔ داغ اور ان کے شاگردوں کی وجہ سے اجمیر میں نہ صرف شعر و سخن کی یادگار مجلسیں آراستہ ہوئیں بلکہ ان کے شخصی اثر سے اجمیر میں شعر گوئی اور شعر فہمی کا رواج عام ہو گیا۔

اجمیر کے قابل ذکر شعراء میں مندرجہ ذیل "تلامذہ داغ" ایک نمایاں حیثیت رکھتے ہیں:۔

مطلب[1]۔ سیفا[2]۔ بہار[3]۔ شرف[4]۔ ضبط[5]۔ نادر[6]۔ رحیم[7]۔ حیران[8]

بیچین[9]۔ عاشق[10] اور کیفی[11] وغیرہ۔

مطلب۔ بہار۔ شرف۔ رحیم۔ حیران اور بیچین کا ذکر میں "ہماری زبان" کے صفحات پر پہلے کر چکا ہوں۔ سیفا۔ عاشق اور کیفی کا ذکر جلد ہی کروں گا۔ فی الحال ضبط اور نادر کا تذکرہ کرنا ہے۔

محمد بخش ــــ ضبط

حالات مولینا خواجہ حسن اجمیری اپنی بیاض یادداشت "برائے تذکرہ شعرائے اجمیر" میں تحریر فرماتے ہیں:۔

"بابو محمد بخش ضبط۔ ڈپو اسٹور ریلوے اجمیر میں بحیثیت اسٹور ڈلیوری کلرک ملازم تھے اور محلہ موتی کٹرہ، درگاہ بازار میں سکونت رکھتے تھے۔ اجمیر کے قدیم باشندگان میں سے تھے"۔

تلمذ "گلشن داغ" بابت ماہ اگست ۱۸۹۰ء میں ضبط کی ایک غزل طبع ہوئی ہے اس غزل سے پہلے جو عبارت تحریر ہے وہ یہ ہے۔

"جناب شیخ محمد بخش صاحب ضبط اجمیری تلمیذ حضرت داغ دہلوی مدظلہ"

مجموعہ کلام آپ کے دو مجموعہ کلام میری نظر سے گذرے ہیں "بستان ضبط" مطبوعہ احمدی اجمیر ۱۹۰۵ء اور "نالۂ ضبط" مطبوعہ معین الہند اجمیر ۱۳۱۱ھ

"نالۂ ضبط" کا قطعہ تاریخ جناب منشی شیخ غلام حسین صاحب وفا اجمیری تلمیذ ضبط اجمیری نے لکھا ہے

"نالۂ ضبط" دستیاب ہوا	میری قسمت ہے اور میرا نصیب
اے وفا کہہ دو	اس کی تاریخ ہے "عجیب و غریب"

سنہ ۱۳۱۱ ہجری

"دستیاب ہوا" سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ "نالۂ ضبط" ضبط اجمیری کی وفات کے بعد طبع ہوا

نمونۂ کلام ۔ انتخاب از "بستان ضبط"

خط میرا لے کے چلے قاصد سے   جا تو ان کو سلام کہہ دینا

پھر بہار آئی ہے ہم چاک گریباں ہوں گے   پھر وہی پاؤں، وہی خار بیاباں ہوں گے

ہم تصور میں انھیں دیکھ ہی لیں گے اے ضبط   کس طرح مانع دیدار نگہباں ہوں گے

نہیں ہے نہیں یہ مقدر کسی کا   کہ مل جائے خود آپ دلبر کسی کا

نہیں دیں گے ہم دل کسی کو نہ دیں گے   بھروسا نہیں ہے کسی پر کسی کا

لاکھ دعویٰ وہ کریں عیسیٰ مریم تو نہیں   ان سے ممکن نہیں بیمار کا اچھا ہونا

جادو نہیں ہوتا کوئی ٹونا نہیں ہوتا   جب دل کو لگے آگ تو کیا کیا نہیں ہوتا

مرا دل چھپا کر جو لے جا رہے ہو   پتہ لگ گا تمہیں مال کیونکر کسی کا

ابھی دیجے سزائے عشق مجھے   حشر پر انتقام کیوں رکھا

---

[1] مطلب۔ مطلب کے لیے ملاحظہ ہو میرا مضمون "داغ کے شاگرد نواب عبداللہ خاں (مطلب اجمیری)" مطبوعہ "ہماری زبان" ۲۲ر اپریل ۱۹۶۶ء

[2] سیفا۔ نظیر حسن سیفا کافی عرصہ تک اجمیر میں رہے۔ یہیں ملازمت کا آغاز کیا اور اجمیر ہی سے "نالۂ عشاق" نامی گلدستہ سخن کا اجرا کیا۔

[3] بہار۔ بہار کے لیے ملاحظہ ہو میرا مضمون "داغ کے شاگرد حکیم بہاؤالدین خاں (بہار اجمیری)" مطبوعہ "ہماری زبان" ۸ر جولائی ۱۹۶۶ء اور لیاقت علی خاں کا مراسلہ "حکیم بہاء الدین خان۔ بہار اجمیری" مطبوعہ "ہماری زبان" ۸ر اگست ۱۹۶۶ء

[4] شرف۔ شرف کے لیے ملاحظہ ہو میرا مضمون "داغ کے شاگرد اشرف گلشن آبادی" مطبوعہ "ہماری زبان" یکم مارچ ۱۹۶۵ء

[5,6] ضبط اور نادر کا ذکر اس شمارہ میں کر رہا ہوں۔

[7,8,9] رحیم، حیران، بیچین کے لیے ملاحظہ ہو میرا مضمون "داغ کے تین شاگرد" مطبوعہ "ہماری زبان" ۸ر دسمبر ۱۹۶۶ء

[10] عاشق۔ عاشق کے متعلق بھی عنقریب ہی کچھ عرض کروں گا۔

[11] کیفی۔ دکن (حیدرآباد) کے مشہور و معروف شاعر، بہبود علی۔ صفی اورنگ آبادی کے استاد۔ سید رضی الدین حسن کیفی تلمیذ داغ اکثر زیارت آستانۂ خواجہ اجمیری کے لیے اجمیر آیا کرتے تھے اور ۱۳۲۸ھ میں دار الخیر اجمیر کی خاک پاک میں آسودہ ہوئے۔ کیفی کا مزار محلہ اندر کوٹ کے شکستہ حال قبرستان میں ہے۔ پچھلے دنوں صفی کے ایک شاگرد خواجہ شوق

(باقی کالم دو پر)

باقی نوٹ کالم ۱ کا۔ حیدرآبادی اجمیر آئے تو وہ مجھے کیفی کے مزار پر لے گئے۔ کیفی کا مزار انتہائی ناگفتہ بہ حالت میں ہے۔ تلامذۂ صفی کو اس جانب توجہ کرنی چاہیے۔

دل کا ارمان ذرا سا بھی نکلنے نہ دیا — وار قاتل نے کیا وہ کہ سنبھلنے نہ دیا
تیری تقریر ترے طرز سخن کے قرباں — کوئی فقرہ بھی کبھی غیر کا چلنے نہ دیا

کچھ ٹھکانا ہی نہیں ان کا کہیں — ڈھونڈنے جائیں تو کیونکر جائیں ہم
تم کو کب فرصت ہے بزم غیر سے — تم کو کیا مر جائیں تو مر جائیں ہم

جس سے دو باتیں ہوئیں وہ مر گیا — زہر ہے شاید کلام یار میں
زلف و ابرو اور رخ و خال میں — دیکھ لو ہے دل الٰہی دو چار میں

نام کے راستے، قول و قسم بھول گئے — اور کہتے ہو مری آپ سے پہچان نہیں
خود بخود تم جو تصور میں چلے آتے ہو — بھول جانے کے مری جان یہ احسان نہیں
خیر روزوں کے لیے ضبط مرے جاتے ہو — آ کے بیٹھے کہ گئے یاد نہیں دھیان نہیں

تم پلا دو تو ہم پئیں تھوڑی — اپنے ہاتھوں شراب پی ہی نہیں
جو بلا لائے ان کو میرے گھر — کام کا کوئی آدمی ہی نہیں
کیا مصیبت کہوں محبت کی — کچھ یہ ناصح ابھی پڑی ہی نہیں
میکدے سے تو آ رہے ہو ضبط — یہ نہ کہیے کہ ہم نے پی ہی نہیں

خط انھیں بھیج کر یہ دیکھیں گے — اپنی تقدیر میں لکھا کیا ہے
نقد دل جو چرا کے لے جائے — کہو اس چور کی سزا کیا ہے

ضبط کہتے ہیں مجھے دیکھ کے وہ محفل میں — کیا ہی کمبخت کی دو روز میں صورت نکلی

بجا کر لے گیا دل صاف غیروں سے کہتے ہیں — برا اچھا ہوا اب ضبط دیوانہ بھلا کیوں ہے

"بستان ضبط" میں ضبط کی ایک غزل ہے جس کا مطلع ہے۔

ان سے ایسی ہوئی پہچان کہ بس — جب سے ایسا ہوا حیران کہ بس

اس غزل کا مطلع کے علاوہ ہر مصرعہ اولیٰ دوسری بحر میں ہے
اور مصرعہ ثانی دوسری بحر میں۔ مقطع ملاحظہ ہو

جنس دل بوسۂ رخسار پہ تم دیتے ہو — ضبط ایسے ہوئے نادان کہ بس

ضبط کا "بستان ضبط" ہی میں ایک شعر ہے۔

دل بیچتا ہوں، مال یہ کھوٹا کہ کھرا ہو — سودا ابھی کرتا ہوں خسارا کہ نفع ہو

غالباً یہ ایسی ہی بات ہے جیسے آتش کا یہ مصرع

دردِ دل اور المضاف ہوا

المضاعف کے بجائے المضاف۔ پوچھا گیا کہ ایسا کیوں لکھا تو بولے ہندوستان کی بولی بول رہے ہیں۔ عرب جائیں گے تو المضاعف کہیں گے۔

انتخاب از "نالۂ ضبط"

ہوئی ضبط کیوں زرد رنگت تمہاری — کسی پر پھر آئی طبیعت تمہاری
ہمیں، واعظو! خلد کوئے صنم ہے — مبارک رہے تم کو جنت تمہاری

نہ حوروں میں دیکھی نہ پریوں میں دیکھی — یہ سیرت تمہاری یہ صورت تمہاری
عدو کو برا ہم کہیں یہ نہ ہوگا — اٹھائی ہے اس نے بھی صحبت تمہاری
اگر ایک قطرہ پیا شیخ صاحب — تو کھل جائے گی سب حقیقت تمہاری

کیونکر سنائے کوئی تمہیں اپنا راز دل — تم خود زمین پر ہو دماغ آسمان پر
ابھی تو ڈیڑھ بات ہے قاصد ذرا سی میں — کہنا کہ کوئی کھیل گیا اپنی جان پر

کہاں جاتے ہو بیٹھو بھی ذرا میرا کہا مانو — سبب کیا ہے جو تم کہتے ہو یاں میری بلا ٹھہرے
ملاؤں یا بناؤں کو کر آشنا پوچھیں ان سے — تمہیں سے ضبط بیزار ہے، چلا جائے وہ یا ٹھہرے

بار ہا انتظار دیکھ لیا — کچھ نہیں اعتبار دیکھ لیا
دے چکے وہ تسلیاں مجھ کو — کیوں دل بیقرار دیکھ لیا
حشر کے دن کا نام سنتے تھے — وہ شب انتظار دیکھ لیا

واسوخت

نئے انداز کا واسوخت سناتا ہوں تمہیں — زور کچھ اپنی طبیعت کا دکھاتا ہوں تمہیں
تم جلاتے تھے مجھے اب میں جلاتا ہوں تمہیں — بات کی بات میں دیوانہ بناتا ہوں تمہیں
بس خبردار خبردار کہے دیتا ہوں
چھیڑیے مجھ کو نہ زنہار کہے دیتا ہوں
سخت غمگین ہوں چار کو مار دوں گا میں — اپنے غصہ کو رقیبوں پر اتاروں گا میں
تو تو کیا ہے رستم سے نہ ہاروں گا میں — جس کو جو چاہوں گا کہہ کہہ کے پکاروں گا میں
تم طرف غیر سے ہم جان جلائیں کب تک
سخت مجبور ہیں یوں عشق نبھائیں کب تک

سب تجھے شوخ جو کہتے ہیں بجا کہتے ہیں — آپ کرتے ہیں برا جب تو برا کہتے ہیں
جن سے ملتے ہو زیادہ وہ سوا کہتے ہیں — ہم نے رو رو کے رقیبوں کو کہا کہتے ہیں
سب میں جو بدنام ہوا اس میں ترا نام ہوا
ترک ہم سے جو ترا نامہ و پیغام ہوا

اب وہی تم ہو کہ باتوں میں اڑاتے ہو مجھے — اب وہی تم ہو کہ دیوانہ بناتے ہو مجھے
اب وہی تم ہو کہ ہنس ہنس کے رلاتے ہو مجھے — اب وہی تم ہو کہ سو ناز دکھاتے ہو مجھے
ہے یہی آپ کا دستور تو بسم اللہ
آپ غیروں سے ملیں ہم کو نہیں کچھ پرواہ

منتخب اشعار از "پیام یار"[1]

(باقی صفحہ پر)

---

[1] پیام یار۔ لکھنؤ کا مشہور گلدستۂ سخن۔ اس کے کئی ایک شمارے میرے یہاں محفوظ ہیں شمارہ مئی اور جون ۱۸۹۵ء کا ذکر اردو ادب شمارہ (۲) اور جولائی، اکتوبر ۱۸۹۵ء کا ذکر اردو ادب شمارہ (۱) ۱۹۶۶ء میں کر چکا ہوں۔

سلام شوق

سلام مچھلی شہری

(یہ نظم ۲۶ جنوری کی شب میں جشن جمہوریت کے مشاعرے میں پڑھی گئی۔ ادارہ)

میں لال قلعہ سے پھر آج کہہ رہا ہوں تمہیں
جہاں کہیں بھی ہو، میری خوشی مبارک ہو
تمہارے گیت، بہر حال مجھ سے ہیں منسوب
مرے خیال کی یہ نغمگی مبارک ہو
میں اہلِ انجمنِ نور، تم بھی مجھ کو عزیز
مرے وطن کی درخشندگی مبارک ہو

(۲)

فضائے محفلِ اقبال کو خلوص کے ساتھ
دیارِ غالب و مومن سلام کرتا ہے
سحر کی پہلی کرن، اک کلی کو چھوتی ہے
تو اس کے دم سے گلِ شاعری نکھرتا ہے
مرے دیار کا ہر پھول منتظر ہے کہ اب
تمہارا باغ بھی دل میں ہی سنورتا ہے

(۳)

نشاطِ اختر و سلمیٰ تمہیں مبارک ہو
گدازِ زہرہ و اسرار کا سلام تو لو
خوشی کی رات ہے شکووں کی بات پھر ہوگی
مری طرف سے محبت کا ایک جام تو لو
تصوروں کے سہارے ملا ہوں تم سے تو اب
تکلفاً مرا دامانِ شوق تھام تو لو
ملوں گا جلد کہ عزم بلند رکھتا ہوں
میں دل میں روحِ گلِ تاشقند رکھتا ہوں۔!!

شام

خلیل تنویر

پھر شام ہوئی ہے
دھانی سائے
خوشبو بن کر پھیل گئے ہیں
آؤ! رنگوں کے ساگر میں کھو جائیں
مجھ کو تو وحشت سی ہوتی ہے
جب شام کا آنچل
ان اونچے اونچے بام و در کی
تاریکی میں کھو جاتا ہے!
آؤ! شام ہوئی ہے
رنگوں کے ساگر میں کھو جائیں

غزلیں

بشیر بدر

وہ غزل والوں کا اسلوب سمجھتے ہوں گے
چاند کہتے ہیں کسے خوب سمجھتے ہوں گے
اتنی ملتی ہے مری غزلوں سے صورت تیری
لوگ تجھ کو مرا محبوب سمجھتے ہوں گے
دیکھ کر پھول کے صفحات پہ شبنم کو لوگ
میرے اشکوں بھرا مکتوب سمجھتے ہوں گے
بھول کر اپنا زمانہ یہ بزرگانِ جدید
آج کے پیار کو معیوب سمجھتے ہوں گے

محمد نشاط الرحمن خاں منتشر

زندگی کے وبال میں گم ہے
ہر بشر اپنے حال میں گم ہے
کوئی الجھا ہے دامِ وحشت میں
کوئی خوابوں کے جال میں گم ہے
جستجوئے نشاط میں انساں
فرطِ رنج و ملال میں گم ہے
یادِ ماضی نہ فکرِ مستقبل
جانے دل کس خیال میں گم ہے
زندگی بیکراں تو ہے لیکن
گردشِ ماہ و سال میں گم ہے
جس کو ہونا تھا سجدہ گاہِ جمال
وہ نظر خود جمال میں گم ہے
لغزشِ عشق پر بضد ہے دل
عقل فکرِ مآل میں گم ہے
کیا کسی کو یہ راہِ راست دکھائے
علم تو قیل و قال میں گم ہے
فرصتِ سرخوشی کہاں منتشر
دل ابھی اشتعال میں گم ہے

علی عباس امید

روئے بتاں کی دھوپ، نہ گیسوئے بتاں کی چھاؤں
ہم چاہتے ہیں آج نگارِ جہاں کی چھاؤں
تفسیرِ زیست پوچھتے ہیں لوگ کیا کہوں
ایسی ہے زندگی کہ جیسے خزاں کی چھاؤں
شہرِ خرد میں آئے تھے لیکن نہ جانے کیوں
دیوانوں کو راس نہ آئی یہاں کی چھاؤں
چمکا اُفق پہ زیست کے یوں مہرِ روزگار
ذہنوں پہ بھی نہیں رہی گوشۂ بتاں کی چھاؤں
پھیلا ہے ہم پہ گرد دھندلکے دکھا کے جو
لینی ہے ان سے آج ہمیں کہکشاں کی چھاؤں
کرتا ہے ساز باز گروہِ دشمنِ چمن
گر شاخِ گل پہ پڑ گئی برقِ تپاں کی چھاؤں
کب تک جئیں امید یہ ہم اہلِ آگہی
ملتی نہیں ہے ڈھونڈھنے سے آسماں کی چھاؤں

اقبال ردولوی

کون مانگے جہاں سے ہمدردی؟
ان کی بیگانگی بہت ہے میاں
اس سے اتنا لگاؤ ٹھیک نہیں
یہ جہاں اجنبی بہت ہے میاں
آج کے آدمی کی آنکھوں میں
کم مروت بھی بہت ہے میاں
جس نے کھولے رموزِ سربستہ
اس پہ دنیا ہنسی بہت ہے میاں

رئیس نعمانی مرادآبادی

دیئے منزل بہ منزل جل رہے ہیں
اندھیرے راہ میں بکھرے ہوئے ہیں
بہت بچ بچ کے ہم ان سے نکلے ہیں
یہاں ہر رنگ کے انساں بسے ہیں
خیالوں نے تراشے ہیں کئی بت
تصور نے بھی افسانے ڈھلے ہیں
نہ جانے کیوں کسی کے گھر کی جانب
قدم بڑھ کر یکایک رک گئے ہیں

صفحہ ۷ سے آگے

تہ و بالا نہ کر ظالم کو عالم مجھ سے کہتا ہے
کراہ کر ذرا سینہ فگار، آہستہ آہستہ

نئے انداز کی وحشت ہے مجھ کو تازہ سودا ہے
گریباں کے اڑاتا ہوں میں تار آہستہ آہستہ

وہ جاتے ہیں تو ان کو اے دل بیتاب جانے دے
کر آہیں جائے گا صبر و قرار آہستہ آہستہ

وہ کہہ کر مرا مدعا ہمدم سے ہنس کے کہتے ہیں
مٹائیں گے یہ نہیں اس کا مزار آہستہ آہستہ

"پیام یار" جنوری ۱۸۸۹ء

ایک غزل از "گلشن داغ"

غیر کی بات تو بگڑی بھی بنا دیتے ہیں
میں جو کچھ کہتا ہوں باتوں میں اڑا دیتے ہیں

عرض مطلب پہ وہ جب آنکھ دکھا دیتے ہیں
خاک میں سب مرے ارمان ملا دیتے ہیں

سن کے فریاد مری غیر سے وہ کہتے ہیں
کیسے کمبخت ہیں سوتوں کو جگا دیتے ہیں

میرے مرنے کی خبر سن کے کہا ظالم نے
وہ تو ہر روز ہی مرنے کی اڑا دیتے ہیں

کوئی محبوب کے رستے سے نہ واقف ہو رقیب
آپ ہم نقش قدم اپنا مٹا دیتے ہیں

بھیج کر نامہ رساں کو یہ مجھے دھیان آیا
ایسے ہی لوگ تو آپس میں لڑا دیتے ہیں

کیا قیامت کے ہیں شاگرد فرشتے دونوں
قبر میں سوتوں کو آ کر جو جگا دیتے ہیں

جو مرا ذکر وہاں کرتا ہے جا کر ہمدم
سنو میرے نام کی وہ اس کو سنا دیتے ہیں

یہ نئی طرز ستم ہے کہ شب وصل مجھے
گدگداتے ہیں وہ اتنا کہ رلا دیتے ہیں

ہم سے رندوں کے نہ کر ذکر قیامت واعظ
ایسے ہنگامے تو ہم روز اٹھا دیتے ہیں

آپ غیروں کی تو سنتے ہیں مگر دھیان رہے
آگ پانی میں بھی لوگ لگا دیتے ہیں

اپنا احوال جو کہتا ہوں تو وہ محفل میں
سن کے اس کان سے اس کان اڑا دیتے ہیں

حور زمزم کے اوصاف سنا کر واعظ
ہر مسلمان کی امید بڑھا دیتے ہیں

خط نہیں ہے یہ ذرا نامہ رساں دھیان رہے
دل مجھے یار پہ کرنے کو فدا دیتے ہیں

ہجر میں چین کہاں صبر کہاں حضرت دل
یہ وہ دمساز ہیں جو دل کے دعا دیتے ہیں

ہم کو کعبہ سے غرض ہے نہ کلیسا سے غرض
سر ترے نقش قدم پر ہی جھکا دیتے ہیں

رنج دینے سے حسینوں کے نہ گھبرائے ضبط
تو نے چاہا ہے اسے اس کی سزا دیتے ہیں

گلشن داغ اگست ۱۸۹۰ء

سلام الدین — نادر

حالات شیخ (حافظ) محمد سلام الدین نادر، عرف چھوٹے اور لدھیاں، رئیس اجمیر کشمیر کے رہنے والے تھے وہاں کے معزز خاندان سے تعلق تھا۔ نواب عبد اللہ خاں مطلب[2] کے بہنوئی اور نواب حاجی محمد خاں کے چھوٹے داماد تھے نہایت خوش پوش، باوضع، خلیق، مہمان نواز اور دردمند واقع ہوئے تھے۔ اجمیر شہر میں پہلی بار "یتیم خانہ" کی بنا آپ ہی نے رکھی تھی۔

حضرت خواجہ اجمیریؒ سے ایک خاص عقیدت رکھتے تھے۔ روزانہ نماز فجر سے پہلے حاضر آستانہ ہوتے، نماز فجر کے بعد کچھ وقت حضرات خدام خواجہ کی صحبت میں گذارتے اور ان کے ساتھ بڑے ہی ادب و احترام سے پیش آتے اور جہاں تک ہو سکتا ان کی خدمت کرتے تھے۔

مقامی مشاعروں میں پابندی سے شرکت کرتے تھے۔ مگر کبھی کسی مشاعرہ میں خود کو بحیثیت شاعر روشناس نہیں کرایا۔ شعر کہتے تھے مگر بہت کم، قطعات تاریخ کہنے میں ایک خاص ملکہ رکھتے تھے۔ شعر و سخن میں اپنے برادر نسبتی مطلب اجمیری کے استاد داغ دہلوی سے مشورہ لیتے تھے[3]۔

قطعات داغ کی وفات پر نادر نے جو قطعہ کہا ہے۔ اس کا آخری آخری شعر یہ ہے

---

[1] گلشن داغ — گلشن داغ کے لیے ملاحظہ ہو میرا مراسلہ "گلشن داغ" مطبوعہ "ہماری زبان" یکم رجنوری ۱۹۶۴ء اور رشید حسن خاں کا مراسلہ "گلشن داغ" مطبوعہ ہماری زبان ۲۲ رمارچ ۱۹۶۴ء۔

[2] نواب عبد اللہ خاں مطلب اور نواب حاجی محمد خاں کے لیے ملاحظہ ہو میرا مضمون "داغ کے شاگرد نواب عبد اللہ خاں مطلب اجمیری" مطبوعہ "ہماری زبان" ۲۲ راپریل ۱۹۶۶ء

[3] یہ حالات مولانا خواجہ حسن اجمیریؒ اس بیاض یادداشت سے ترتیب دیے ہیں۔ جو آپ نے تذکرہ شعرائے اجمیر کے لیے قلمبند فرمائی تھی۔

کہہ دو نادر مشاکے دل کو آج راہی جہاں سے داغ ہوا
۴۴

جالب صاحب اڈیٹر "ہمدم" نے بھی اسی مصرع "داغ" سے تاریخ اس طرح نکالی ہے

دم نکلتے ہی یہ ہوئی تاریخ آج راہی جہاں سے داغ ہوا
۴۴

اب احاطۂ درگاہ شریف (اجمیر) میں شاہجہانی مسجد کے نزدیک جہاں پر وضو کے لیے حوض ہے۔ پہلے یہاں لال پتھر کی سیڑھیاں تھیں اور زنانہ گھاٹ تھا جارہ جب لبریز ہوتا تھا تو عورتیں دشواری تھیں۔ اس جگہ جب حوض تعمیر ہوا تو نادر نے تاریخ نکالی۔

دیکھئے سیڑھیوں سے حوض بنا
۱۳۲۷ھ

مشہور عالم اور صوفی حضرت محمد حسین صاحب الٰہ آبادیؒ نے الٰہ آباد میں جب رجبی شریف کی محفل شروع کی تو ان ہی کے مواعظ حسنہ کے اثر سے مولینا معنی اجمیری نے "مجلس سعیدیہ" قائم کرکے اس کی تحریک اجمیر میں اٹھائی اور آستانہ غریب نواز پر شب معراج منانے کی تقریب شروع کی (جو اب تک منائی جاتی ہے) مولینا معنی اجمیری نے "مجلس سعیدیہ" کی رپورٹ شائع کی۔ اس میں مختلف اصحاب کے مضامین بھی اس موضوع پر ہیں۔ نادر نے اس رپورٹ کی تاریخ کہی ہے۔

بنائے ذکر نبی موسوم اورا نفائس نامہ معراج بر خواں
۱۳۲۱ھ

"احسن السیر کے صفحہ ۲۰۰ پر آپ کا ایک قطعہ میری نظر سے گذرا ہے۔ جو مندرجہ ذیل ہے۔

"قطعہ تاریخ مرحمت فرمودۂ رفیع المرتبت عالیجناب شیخ حافظ محمد سلام الدین صاحب عرف چھوٹے دوند یاں خوشنویس اور لد معین الملک نواب حاجی محمد خاں صاحب بہادر مرحوم سابق وزیر اعظم ملک مارواڑ، جودھپور۔ رئیس اجمیر شریف"

زاکبر جہاں نسخہ بے نظیر
خوشا بار دیگر در آمد بہ چاپ
کتابے چناں بے بہا در سیر
نگر دو گرہ طبع بیندہ سیر
ز جم جام و آئینہ ز اسکندر ست
کہ ہر در جہاں را قواں کرد سیر
سخن راندہ ز احوال پیشیاں
بجو سے کہ بودست محلو بہ خیر
دلم گفت نادر پئے سال طبعش
بگو شامل قدر تاریخ اجمیر

افسوس ہے کہ باوجود سعی و تلاش سے مجھے نادر کا کوئی شعر دستیاب نہیں ہو سکا۔ براہ کرم وہ حضرات بالخصوص وہ باشندگان اجمیر جو پاکستان منتقل ہو چکے ہیں اور جو یادداشت وضبط کے واقف کار ہیں۔ مجھے ان حضرات کے (کسی قدر) حالات اور نمونۂ کلام سے مطلع فرمائیں۔

لـــــہ یہ عبارتیں بھی مولینا خواجہ معنی [illegible] بیاض یادداشت سے لی گئی ہیں۔

سلہ مولینا معنی اجمیری۔ مولینا خواجہ معنی اجمیری کے خال محترم استاد سخن، صاحب علم اور ادب نواز شخصیت۔

سلہ "احسن السیر" یہ کتاب "سوانح خواجہ بزرگ" اور حالات اجمیر پر مشتمل ہے۔

مراسلات

"۴۲ نظمیں" کے بارے میں

"۴۲ نظمیں" کی اشاعت کے بعد اردو نقد و نظر کی دنیا میں ایسی خاموشی چھائی کہ حبس کی کیفیت پیدا ہوگئی۔ جی پریشان ہوگیا کہ یا اللہ یہ کیا قصہ ہے۔ کیا کلیم کا یہ مجموعہ لوگوں کی توجہ اپنی طرف کھینچنے سے واقعی محروم ہے؟ یا پھر کوئی اسے ہضم نہیں کر پا رہا ہے؟ کیا واقعی "۴۲ نظمیں" بکواس ہے؟ کوئی کچھ بولتا کیوں نہیں؟ یہ عالم سکرات کی کیفیت کیوں؟ ہماری زبان میں وحید اختر صاحب کے تبصرے نے کچھ ڈھارس بندھائی۔ لیکن پورا تبصرہ ڈھاک کے تین پات ثابت ہوا۔ وحید اختر صاحب (جو بذات خود ایک اچھے جدید شاعر ہیں) نے کلیم الدین کی نظموں پر محض دور دور سے سلام کیا ہے جس طرح انھوں نے لمبی تمہید باندھی ہے اور بڑے بڑے دعوے کئے ہیں، [illegible] ایک جگہ بھی مس نہیں کیا ہے۔ ایک تو ان کی تمہید غیر ضروری طور پر طویل اور روایتی بحث ہے۔ دوسرے یہ کہ انھوں نے اپنے سارے تبصرے میں محض آداب سکھائے ہیں۔ تبصرہ میں بصیرت نقد مفقود ہے۔ وہ کہتے ہیں "نئی تخلیق کی تلاش میں دو سو چالیس صفحات ایک ایک لفظ پڑھنے کے بعد یہ کہنا پڑتا ہے کہ "۴۲ نظمیں" میں یہ تلاش الٹی معشوق کی کمر یا اقلیدس کا نقطہ ہی رہی؟) نقطے کے حدود اربعہ کی تلاش کے مترادف بھی قرار دی جا سکتی ہے۔ مختصر نظمیں نسبتاً بہتر ہیں لیکن ان کا انداز روایتی ہے اور ہمیں رومانی دور کے اردو شاعروں اور ان کی نظموں کی یاد دلاتا ہے جب ہماری نظم گھٹنیوں کے بل چلنا سیکھ رہی تھی۔ ان کے موضوعات میں بھی کوئی تازگی [illegible] اور فکری [illegible] کا سراغ نہیں ملتا۔ طویل نظموں میں [illegible] منتشر ہو کر غیر ضروری، کمزور بیانات اور ڈھیلے ڈھالے سست رو مصرعوں میں الجھ گیا ہے..."

سی قبیل کا انداز پورے تبصرے میں چھایا ہوا ہے۔ وحید اختر صاحب کا پورا تبصرہ طنز اور لفظی پینترے [illegible] کا آمیزہ بن گیا ہے۔ جہاں انھوں نے کلیم کی بعض اچھی نظموں کا حوالہ دیا ہے وہاں انھیں ان نظموں کا حوالہ بھی دینا چاہئے تھا جن میں خیال منتشر ہو کر غیر ضروری بیانات، کمزور اور ڈھیلے ڈھالے سست ہو کر رہ گئے ہیں۔ بات یہیں پر ختم نہیں ہوتی بلکہ اس وقت طبیعت میں انقباض پیدا ہو جاتا ہے جب وحید صاحب انیسویں صدی کے نقاد کی طرح الفاظ کو پکڑنے میں فخر محسوس کرتے ہیں۔ حالانکہ انھیں یہ سوچنے میں دقت نہیں ہونی چاہئے کہ نظموں میں مصرعے کی ساخت، ترتیب اور نشست جزوی طور پر جدید ارتقائی نظم کے فن میں یوں بھی زیادہ اہم نہیں۔ [illegible] مصرعے "چاندنی فضاؤں میں، نور پھیل جاتا ہے" [illegible] نہیں۔ یہ انتہائی خوبصورت ٹکڑے ایک انتہائی خوبصورت نظم [illegible] یہ ضروری نہیں دیا [illegible] کے ہیں پڑھنے والے کے لئے ضروری ہے کہ وہ پوری نظم کی رفتار اور موڈ کو اپنی گرفت میں لے کر ان مصرعوں کا مزا لے۔ وحید صاحب جو خود ایک ستھرے شاعر ہیں، اس چھوٹی سی بات کو ضرور سمجھتے ہوں گے۔ بنا بریں یہ کہنا ضروری ہے کہ چاندنی یہاں فضاؤں کی صفت ہے تو اس طرح اسے اوپر سے یوں پڑھئے ؎

جیکہ ظلمت شب میں\
نرم نرم ریشم سی\
چاندنی فضاؤں میں\
نور پھیل جاتا ہے

یہ نظم انتہائی SUGGESTIVE ہے۔ اس میں کلیم الدین نے کائنات کے بوقلموں تضاد پر فلسفیانہ روشنی ڈالتے ہوئے حیات کے نقش نو بہ نو کا ایمائی انداز میں جائزہ لیتے ہوئے انسان کی بے مائیگی کا اظہار کیا ہے۔ وحید اختر صاحب نے اس نظم کے شاعرانہ اور فکری پہلو سے کلی بے توجہی برتی ہے۔

دراصل یہ ساری بات وحید صاحب سے اس لئے سرزد ہوئی کہ انھوں نے کلیم کی ۴۲ نظموں کو بالکل رواروی میں پڑھا ہے اور اگر ایک ایک لفظ پڑھنے کے بعد "یہ رائے قائم کی ہے" تو کہنے دیجئے کہ وہ صرف نظموں کی پڑھیں الفاظ کے جال میں پھنس کر رہ گئے ہیں۔ انھوں نے کلیم کے خیال کی اس رو کو نہیں چھوا ہے جہاں وہ حقائق حیات و کائنات کو METAPHYSICAL طور پر پرکھتے ہیں۔ کلیم کی بعض نظموں میں نہیں بلکہ تقریباً ساری نظموں میں عہد حاضر کے حقائق پر گہری نظر ڈالی گئی ہے۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ ان کا انداز نظر وہ نہیں جو آج کے جدید شاعروں کا ہے۔ کلیم مارسے اور ریمبو کے طریقِ پرچار (APPROACH) سے دور ہیں۔ انھوں نے اپنی نظموں میں خیال کے ارتقاء کو بنیادی قرار دیا ہے۔ فکری لحاظ سے وہ اقبال سے قریب تر ہیں۔ فرق یہ ہے کہ انھوں نے فکر انگیز اور خالص علمی پہلوؤں کو گہری ایمائیت میں محبوس کر دیا ہے۔ مگر یہ ایمائیت خالص طور پر نہ ایلیٹ اور جیمس جوائس سے مستعار ہے [illegible] نہ ہی یہ ایمائیت اقبال اور غالب کی محض [illegible] نہیں۔ [illegible] دونوں کا حسین امتزاج بن جاتا ہے۔ تمام نظموں کی VACUBULARY اس کی شاہد ہے یہ خالص اردو شاعری کی روایات سے ایک طرف مملو ہے تو دوسری طرف ایمائیت مغربی ادب سے باشعور کسب کی غمازی کر رہی ہے وحید صاحب کے یہ کہنے سے کام نہیں چلے گا کہ "ان (کلیم) کا انداز روایتی ہے اور ہمیں رومانی دور کے اردو شاعروں اور ان کی نظموں کی یاد دلاتا ہے" ان کا یہ جملہ دراصل پچھتاوے سے کم نہیں۔ مغربی اور خاص طور پر انگریزی شعراء ایلیٹ، ایزرا پاؤنڈ اور پھر بعد میں ایٹس جس طرح ملارمے اور ریمبو کی رمزیت (ایسی رمزیت جس میں لفظ موسیقی کے پردوں کی طرح معنی سے بے نیاز ہو جاتے ہیں) کو اپنا کر تھک ہار گئے اور جہاں اب پھر مراجعت ہو چکی ہے، وحید صاحب اور ان کے

جیسے شعرا ساٹھ ستر سال پہلے کی فرانسیسی ادبی ہڈی چبانے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگا کر روایت کا یوں مذاق اڑا رہے ہیں جس کے نتیجے میں جدید شاعری اپنی بہت ساری خوبیوں کے باوجود مقبول نہیں ہو رہی ہے۔ انھیں وسعت نظری سے ادب کی تمام قدروں کو سمجھنا چاہیے۔ ان سے دامن جھٹک کر چلنا درست نہیں۔

کلیم کی نظمیں الفاظ کی فضول خرچی اور بے احتیاطی کا ثبوت نہیں۔ انھوں نے اپنی تمام نظموں میں گہرا سلسلہ برقرار رکھا ہے۔

"دہ دیکھو ابر تیز رو" شاندار طویل نظم ہے۔ اس نظم میں کلیم نے انسان کے اُس سلسلۂ جستجو و تلاش کا تجزیہ کیا ہے جو آدم سے لے کر ایں دم تک سکون و راحت کی خاطر اس نے اپنایا ہے۔ پوری نظم میں ایک کی جھلک دکھائی دیتی ہے جس میں "تازگی، ندرت، اور فکری پختگی" موجود ہے۔ پوری نظم میں مرکزی خیال کا ارتقا انتہائی متوازن طریقے پر ہوا ہے۔ خیال کے اس ارتقا کو مصرعوں کی GALLOPING کیفیت نے دو آتشہ کر دیا ہے۔ ہر مصرعے کی تاب ایک ہے، آہنگ ایک ہے، آواز ایک ہے۔ مگر اس کے باوجود خیال کا متوازن جانے طریقے پر ہوتا جاتا ہے اور قاری تکرار کی موسیقیت میں خیال کا پورا سفر طے کر لیتا ہے۔ یہی اس نظم کی خوبی ہے۔

آخر میں مجھے ایک بیان پر کچھ اور کہنا ہے۔ وحید صاحب نے نظم کی تعریف کرتے ہوئے اس خیال کا اظہار کیا ہے کہ خیال کا ارتقا عمودی ہوتا ہے۔ مجھے یہاں بھی اختلاف ہے۔ نظم کا ارتقا عمودی نہیں بلکہ مخروطی یعنی PYRAMID کی طرح ہوتا ہے۔ طویل نظم کثرت سے وحدت کی طرف سفر کرتی ہے۔ ایسی وحدت جو سبھی وسعتوں کی کلید معلوم ہوتی ہے۔ نظم طویل کے اختتام میں ہم ایک نقطے پر پہنچ کر نظم کے سارے حجم (THIKNESS) کو دیکھ لیتے ہیں۔ عمودی ارتقا میں نظم کا حجم بن نہیں پاتا اور اسے کوئی نقطہ میسر نہیں ہوتا۔ ہو سکتا ہے وحید اختر صاحب یہاں لفظی غلطی کر گئے ہوں کیونکہ ان کی اکثر و بیشتر نظموں میں عمودی نہیں بلکہ مخروطی ارتقا نظر آتا ہے۔

"م" کے استفسار پر

۸ر جون ۱۹۷۶ء کے "ہماری زبان" میں "یہ فارسی اشعار اور مصرعے کن شاعروں کے نتیجۂ فکر ہیں" کے زیر عنوان "جناب م" کا مراسلہ شائع ہوا ہے۔

جس کے جواب میں اطلاعاً عرض ہے کہ

(۱)

خارہا از اثر گرمیِ رفتارم سوخت
منتے بر قدم راہرو انست مرا

یہ شعر مرزا مظہر جانجاناں کا ہے۔ حوالے کے لیے دیکھئے "نقد و انتقاد" (از۔ اعجاز احمد معجز۔ صفحہ ۱۸)

(۲)

بہ بوئے اصحاب معنی را برنگ اصحاب صورت را

یہ مصرع یوں ہے

برنگ اصحاب صورت را ببو ارباب معنی را

اور پورا شعر اس طرح

بہار عارضش جنبش دل و جاں تازہ میدارد
برنگ اصحاب صورت را ببو ارباب معنی را

یہ شعر خواجہ میر درد کا ہے۔ حوالے کے لیے دیکھئے "نقد و انتقاد" (از۔ اعجاز احمد معجز، صفحہ ۴۴)

(انیس نور الحسن انور اوجینی)

ایک نظم کے بارے میں

"ہماری زبان" کے جلد ۲۶ شمارہ ۳ مورخہ ۱۵ر جنوری ۱۹۷۷ء کے صفحہ ۸ پر سعادت نظیر کی ۱۳ اشعار پر مشتمل نظم بعنوان "حرف دہقاں" نظر سے گزری۔ بارہواں شعر

مٹایا جاتا ہے لوحِ جہاں سے کیوں مجھ کو
میں کیا ازل کے مصور کا شاہکار نہیں

نظیر صاحب نے مندرجہ بالا شعر کہہ کر کوئی نئی بات پیدا نہیں کی۔ صرف چند الفاظ حذف کیے جا کر اور کچھ کمی بیشی کے ساتھ مرزا غالب کے مشہور شعر کو بڑی بے باکی سے لکھا ہے۔

یارب زمانہ مجھ کو مٹاتا ہے کس لیے
لوحِ جہاں پہ حرفِ مکرر نہیں ہوں میں

غالب

(م۔ ذ۔ خ خریداری نمبر ۱۷۸)

انجمن ترقی اردو بنارس کا سالانہ جلسہ

انجمن ہذا کا سالانہ جلسہ بمقام عشرت پل انجمن کے دفتر میں بروز اتوار بتاریخ ۲۲ جنوری ۹۷ء زیر صدارت جناب کرشن موہن صاحب ایڈووکیٹ ہوا۔ آغاز جلسہ سکریٹری رپورٹ سے مترتب ہوا۔ سکریٹری نے سال گذشتہ کی مفصل رپورٹ پیش کی۔ رپورٹ کے بعد حسب ذیل تجاویز اتفاق آراء سے منظور ہوئے۔

۱۔ انجمن ترقی اردو بنارس کا یہ سالانہ اجلاس حکومت ہند اور حکومت اترپردیش کی لسانی پالیسی سے بیزاری کا اظہار کرتا ہوا ان کو متنبہ کرتا ہے کہ وہ اپنی لسانی پالیسی میں منصفانہ توازن پیدا کریں تاکہ دستور ہند کی توہین نہ ہو اور لسانی اقلیتوں میں بے اعتمادی کا جذبہ ابھرنے نہ پائے۔ اجلاس کی رائے میں حکومت اترپردیش کا ایک اردو محافظ افسر کی حالیہ تقرری بے وجہ ہے کیونکہ مرکز میں لسانی اقلیتی کمشنر اور صوبہ میں اسپشل لسانی افسر پہلے سے موجود ہیں لیکن ان کے پاس قانونی زور نہ رہنے کی وجہ سے ان کا وجود بے معنی ہو جاتا ہے لہذا اجلاس کی رائے میں مذکورہ افسر کی حالیہ تقرری طفل تسلی سے زیادہ وقیع نہیں اور نہ اس تقرری سے اردو والوں کی کوئی غرض پوری ہوتی ہے اس حالت میں یہ جلسہ اردو کو صوبہ کی ثانوی زبان بنانے کے پرانے مطالبے کی تجدید کرتا ہے کیونکہ اردو کی تحفظ کا کوئی دوسرا چارہ نظر نہیں آتا۔

۲۔ انجمن ترقی اردو بنارس کا یہ سالانہ اجلاس حکومت ہند سے پرزور مطالبہ کرتا ہے کہ حکومت ہند جذباتی اتحاد کا احترام کرتے ہوئے مقامی زبانوں کی بقا کی خاطر اپنے ماتحت ہندو یونیورسٹی میں اردو کی ایم۔ اے تعلیم کا بندوبست کرے اور اردو کا ایک آزاد شعبہ قائم کرے تاکہ اردو جو ہندوستان کی سب سے بڑی اقلیتی زبان ہے پھلے پھولے دوسری مقامی زبانوں کے دوش بدوش ترقی کرے اور حکومت کی سیکولر پالیسی پر ثابت قدم رہنے کا بین ثبوت بنے۔

۳۔ انجمن ترقی اردو بنارس کا یہ سالانہ اجلاس حکومت اترپردیش سے مطالبہ کرتا ہے کہ:

الف۔ سہ لسانی فارمولے میں کسی کلاس کی زبان کو داخل نہ کرے تاکہ اقلیتوں کی اپنی مادری زبانوں کے پڑھنے میں کوئی رکاوٹ نہ ہو اور ہندی کے خلاف غیر ہندی والوں میں ہیجان برپا نہ ہو۔

ب۔ اردو اساتذہ کی کمی کو دور کرنے کے لیے اردو ٹریننگ سنٹر قائم کیے جائیں نیز جامعہ اردو علی گڑھ کے امتحانات کو بھی قابلیت کا معیار مقرر کیا جائے۔

ج۔ پبلک سروس کمیشن کے امتحانات میں پرچوں کے جوابات دینے کے لیے اردو کو بھی ذریعۂ جواب مقرر کیا جائے

۴۔ انجمن ترقی اردو بنارس کا سالانہ اجلاس انجمن کے ارباب حل و عقد سے گذارش کرتا ہے کہ وہ بغرض اشاعت اردو و مالی اعانت انجمن ہذا ایک امدادی مشاعرے کے انعقاد کا بندوبست کریں۔

بعد منظوری تجاویز بالا انجمن کی مجلس انتظامیہ کا انتخاب عمل میں آیا جس میں حسب ذیل حضرات منتخب ہوئے۔

جناب سید سلیمان عباس صاحب رضوی۔ پروفیسر ہندو یونیورسٹی۔ صدر

جناب کرشن موہن صاحب ایڈووکیٹ۔ نائب صدر

جناب حکم چند صاحب نیّر۔ پروفیسر ہندو یونیورسٹی نائب صدر

محترمہ جمیلہ قریشی صاحبہ۔ پروفیسر ہندو یونیورسٹی۔ نائب صدر

جناب عبدالحق صاحب مسلم الحریری۔ نائب صدر

جناب سید منیر نیازی صاحب اڈیٹر "قومی مورچہ" نائب صدر

جناب شیو ناتھ پرشاد صاحب شاد۔ جنرل سکریٹری

جناب داتا رسول صاحب۔ معاون جنرل سکریٹری

جناب محمد اکبر حسین صاحب " "

جناب سلام اللہ صاحب صدیقی سکریٹری شعبہ کتب خانہ

جناب محمد سلیمان آصف صاحب سکریٹری شعبہ ادب

جناب کالی پرشاد صاحب خازن

جلسہ میں علاوہ دیگر معززین کے جناب رگھوناتھ سنگھ ممبر پارلیمنٹ جناب حکم چند صاحب نیّر پروفیسر ہندو یونیورسٹی، جناب نہال الدین صاحب پرنسپل مسلم اسکول، جناب سید منیر نیازی صاحب اڈیٹر "قومی مورچہ" نے بھی شرکت فرمائی۔ بابو رگھوناتھ سنگھ نے اردو کے اوپر ایک مختصر تقریر کی اور فرمایا کہ کسی زبان کو کوئی نہیں مٹا سکتا، مذہب بدل سکتا ہے لیکن زبان نہیں بدل سکتی۔ اگر زبان سے محبت کرنے والے موجود ہیں تو زبان نہیں مٹے گی۔ اگر ہم زبان سے محبت نہیں کریں گے تو زبان مٹ جائے گی۔ انھوں نے مزید فرمایا کہ پارلیمنٹ میں جو تقریر اردو میں ہوتی ہے وہ اردو میں چھپتی ہے اور جو انگریزی میں ہوتی ہے وہ انگریزی میں۔ میں برابر اپنی زبان میں بولتا ہوں۔ بہار اور یوپی کے کچھ لوگ انگریزی میں بولتے ہیں لیکن میں اپنی ہی زبان میں بولتا ہوں اگرچہ میں ہندی، اردو، انگریزی، بنگالی، مہاراشٹری بھی جانتا ہوں۔ بعدہ بابو شیو ناتھ پرشاد نے بھی اردو کے متعلق اور اس کے ترویج و ترقی کی دقتوں کے متعلق ایک مختصر اور جامع تقریر کی۔ آخر میں جناب داتا رسول صاحب نے حاضرین کا صد بارہ شکریہ ادا کیا اور جلسہ ٹی پارٹی کے بعد ختم ہوا۔ بعد نماز عصر جناب مسلم الحریری صاحب کی صدارت

میں مشاعرہ منعقد ہوا جس میں جناب عزیزالحق صاحب عزیز، جناب صغیر احمد صاحب شوق، جناب ڈاکٹر نخشے صاحب، جناب عزمی صاحب، جناب گوہر صاحب جناب مولانا احمد مکرم صاحب اعظمی، جناب شیو ناتھ پرشاد صاحب شاد و جناب مسلم الحریری صاحب نے اپنے اشعار سے حاضرین کو محظوظ فرمایا۔

مزید برآں تجویز عطا پر مولانا احمد مکرم صاحب اعظمی لکچرار جے پی مہتا انٹر کالج وارانسی نے ایک حسب ذیل ترمیم پیش کی جو کثرت رائے سے منظور ہوئی کہ "اگر مرکز و صوبہ نے اردو کو سرکاری دوسری زبان الکشن سے پہلے تسلیم نہ کیا تو کانگریسی امیدوار کا حالیہ الکشن میں بائیکاٹ کیا جائے گا۔"

(سکریٹری، انجمن ترقی اردو بنارس)

یوم جمہوریت پر خصوصی شعری نشست

علی گڑھ ۲۸ جنوری۔ ہر سال کی طرح امسال بھی یوم جمہوریت کے موقع پر انجمن اردوئے معلی شعبہ اردو علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے زیر اہتمام ایک شعری نشست کا انعقاد کیا گیا جس کی صدارت پروفیسر آل احمد سرور نے کی۔ اتر پردیش کے وزیر داخلہ جناب ہرگوبند سنگھ کے انتقال پر دو منٹ خاموش رہ کر ایک تعزیتی تجویز پاس کی گئی۔

یوم جمہوریت کی اہمیت پر روشنی ڈالتے ہوئے صدر جلسہ پروفیسر آل احمد سرور نے کہا کہ ہم ہر سال شعر و سخن کی اس خصوصی نشست کے ذریعہ جمہوریت، سیکولرزم اور انسانیت کی اعلیٰ اقدار پر اپنے ایمان کو تازہ کرتے ہیں اپنی کامیابیوں اور ناکامیوں کا جائزہ لیتے ہیں اور جمہوری اقدار کے استحکام کے لیے اپنے آپ کو نئے سرے سے تیار کرتے ہیں۔

نشست میں پروفیسر آل احمد سرور، معین احسن جذبی، خواجہ مسعود علی ذوقی، ڈاکٹر منیب الرحمٰن، ڈاکٹر خلیل الرحمٰن اعظمی، ڈاکٹر حمید اختر، ڈاکٹر وارث کرمانی، زاہدہ زیدی صاحبہ، ڈاکٹر رویندر بھرمر، ڈاکٹر عشرت حسن انور، شہریار، امیر چاری، ذکار الدین شایاں، شوریدہ کاشمیری اور شمس طہرانی نے اپنا کلام سنایا۔ (خورشید حمید اللہ سکریٹری اردوئے معلی شعبہ اردو مسلم یونیورسٹی)

دلی میں اردو کی تعلیم اور دیگر سہولتوں کے بارے میں حکم

دلی کے چیف ایگزیکٹو کونسلر میر مشتاق احمد نے دلی کے اسکولوں میں اردو کی تعلیم اور سرکاری دفاتر میں اردو کے لیے سہولتوں کے بارے میں حکومت ہند کے گشتی سرکلر پر عمل درآمد کے لیے حکم دے دیا ہے اور اس طرح دلی میں اردو کو اس کا حق دینے اور مراعات کے بارے میں حکومت ہند کے ایک پرانے حکم کی تعمیل ہو جائے گی۔

یاد رہے کہ حکومت ہند نے یہ سرکلر ۴ جولائی ۱۹۵۸ء کو جاری کیا تھا اور یہ اس وقت سے اب تک دلی ایڈمنسٹریشن کے سرد خانہ میں پڑا تھا اور اب میر صاحب کی توجہ سے حرکت میں آیا اور آخر میر صاحب نے اس پر حکم دے دیا۔

حکومت ہند نے جو سرکلر بھیجا تھا اس کی رو سے اردو کے سلسلہ میں حسب ذیل اقدامات کی تجویز تھی۔

۱۔ پرائمری اسٹیج میں اردو کی تعلیم اور امتحانات کی سہولتیں۔
۲۔ اردو ٹیچروں کی ٹریننگ۔
۳۔ ثانوی درجوں میں اردو میں تعلیم کی سہولتیں۔
۴۔ تمام عدالتوں اور سرکاری دفاتر میں اردو دستاویزات بغیر ترجمے کے قبول کی جائیں گی۔
۵۔ اہم قوانین قاعدے ضابطے اور اعلانات اردو میں جاری کیے جائیں گے۔

اس کے بعد ہوم منسٹری نے یہ خواہش ظاہر کی کہ مذکورہ بالا مراعات کے علاوہ حسب ذیل خصوصی مراعات اور دی جائیں۔

۱۔ فہرست رائے دہندگان بدستور انگریزی اردو اور ہندی میں چھاپی جائیں۔
۲۔ اردو درخواستوں کے جواب اردو میں دئے جائیں۔
۳۔ اشتہارات اور ٹینڈر نوٹس اردو اور ہندی میں شائع کیے جائیں۔
۴۔ فہرست تعطیلات اردو میں جاری کی جائے۔
۵۔ ایسے فارم جو پبلک استعمال میں آتے ہوں جن میں سن وغیرہ بھی شامل ہیں ہندی اردو دونوں میں چھاپے جائیں۔

یہاں یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ حضرت مولانا ابوالکلام آزاد کے انتقال کے بعد پنڈت نہرو نے اردو کے سلسلہ میں خاص طور پر توجہ دینے کے لیے کہا تھا اور آل انڈیا کانگریس کمیٹی کے اجلاس کے بعد حکومت ہند کی وزارت داخلہ نے مذکورہ بالا خط دلی ایڈمنسٹریشن کو بھیجا تھا۔

(الجمعیۃ دہلی)

"ہماری زبان"

کو مضامین و مراسلات بھیجتے وقت یہ خیال رکھیں کہ وہ کاغذ کے ایک طرف لکھے ہوں۔ ادارہ

تبصرے

شہریار

کلکتہ: اک رباب

حرمت الاکرام

قیمت:- ایک روپیہ پچاس پیسے

'کلکتہ: اک رباب' حرمت الاکرام صاحب کی طویل نظم ہے جس کو حلقۂ ترویج ادب رام باغ، مرزاپور (یو۔پی) نے اہتمام کے ساتھ کتابی شکل میں شایع کیا ہے۔ کتاب کی مجموعی ضخامت ۴۴ صفحات ہے اور اس کا سائز ۲۲×۱۷/۱۲ ہے تقریباً ۱۵۰ اشعار کی یہ نظم مسدس کے فارم میں لکھی گئی ہے۔ کتاب کے ابتدائی تیس صفحات میں فراق گورکھپوری کا 'تعارف'، کرامت علی صاحب کا مقدمہ، ڈاکٹر اختر اورینوی صاحب کا مختصر مضمون "مضراب" اور حرمت الاکرام صاحب کا خود نوشت دیباچہ "افسانہ در افسانہ" شامل ہے۔ فراق صاحب نے مخصوص رنگ میں حرمت الاکرام صاحب کی شاعری کے مجموعی رنگ و آہنگ کو واضح کرنے کی کوشش کی ہے۔ کرامت علی صاحب نے نظم کا تجزیہ جدید تر تنقیدی اصولوں کے مطابق کرکے اس نظم کو جدید شاعری کے صحت مند اور متوازن رجحان کا نمائندہ قرار دیا ہے۔ اختر اورینوی صاحب نے ہم عصر شاعری کے مختلف اور متضاد رجحانات کے پس منظر میں اس نظم کی فنی خوبیوں کو اجاگر کیا ہے اور حرمت الاکرام صاحب نے کلکتہ سے اپنی جسمانی، ذہنی اور جذباتی وابستگی کی نوعیت پر روشنی ڈالنے کے بعد اس نظم کے محرک کی وضاحت کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ "بات یہ ہے کہ ۱۹۶۳ء کے ربع آخر میں ارض دکن کی ایک خاتون نے جو ملک کے بڑے شہروں سے متعلق نظموں کا ایک مجموعہ مرتب کرنا چاہتی تھیں کلکتہ سے متعلق نظم لکھنے کی ذمہ داری مجھ کو سونپنی چاہی" اور حرمت الاکرام صاحب نے اپنی مصروفیات کے باوجود اس فرمائش کو پورا کرنے کا وعدہ کرلیا۔ حرمت الاکرام صاحب مختصر نظم لکھنا چاہتے تھے لیکن تکمیل تک پہونچتے پہونچتے اس نظم نے اتنی طوالت اختیار کرلی کہ اسے کتابی شکل میں شایع کرانا پڑا۔

مقدموں اور دیباچہ کے علاوہ گرد پوش پر مسیح الزماں، شمس الرحمٰن فاروقی، ڈاکٹر سید اعجاز حسین اور پروفیسر احتشام حسین صاحب کی تنقیدی آرا بھی شامل ہیں۔ جن میں اس نظم کی اہمیت اور حرمت الاکرام صاحب کی شاعرانہ عظمت پر زور دیا گیا ہے۔

نظم کا موضوع جیسا کہ اس کتاب کے عنوان سے ظاہر ہے شہر کلکتہ ہے وہ کلکتہ بھی جس کو دیکھ کر غالب بے خود ہوگئے تھے اور ہائے ہائے کرتے ہوئے واپس آئے تھے اور وہ کلکتہ بھی جو آج جدید صنعتی تہذیب کی علامت ہے جس میں نور بھی اور تاریکی بھی، حسن بھی ہے اور بدصورتی بھی۔ شاعر نے کلکتہ کی زندگی کے بیشتر پہلوؤں کی طرف بلیغ اشارے کیے ہیں۔ یہ اشارے کہیں مبہم اور پراسرار ہیں اور کہیں واضح اور واشگاف۔ لیکن ہر جگہ شعریت اور تغزل کا خیال رکھا ہے اور خطابیہ، بیانیہ، ہیجان انگیز طرز اظہار سے خود کو بچائے رکھا ہے۔ اسی لیے ابتدا سے خاتمہ تک ہموار اور متوازن نغمگی پائی جاتی ہے۔ یہ ہموار اور متوازن نغمگی کچھ تو ہیئت کی دین ہے اور کچھ حرمت الاکرام کے فن کارانہ شعور و احساس کی تربیت و تہذیب کا ثمرہ۔ نظم طویل ہو یا مختصر ایک اکائی ہوتی ہے چند اشعار یا بندوں سے اس کے حسن و اثر کو سمجھا اور سمجھایا نہیں جاسکتا ہے اس لیے میں اشعار کی مثالیں دینے کے بجائے یہ سفارش کروں گا کہ اس نظم کو توجہ اور اطمینان سے پڑھا جائے کہ اس میں کئی ایسی خوبیاں ہیں جن سے لطف اور لذت اور مسرت اور بصیرت حاصل کی جاسکتی ہے۔

بھوپال میں غزل۔ مرتبہ دلکش ساگری۔ قیمت ۲ روپے ۵۰ پیسے

ملنے کا پتہ: شرقی بک ڈپو۔ ابراہیم پورہ بھوپال

بھوپال کے چھپن غزل گو شعرا کے اس انتخاب کی اشاعت کئی اعتبار سے اہم ہے۔ اس سے ایک طرف تو یہ اندازہ ہوتا ہے کہ بھوپال جو اردو زبان و ادب کا ایک اہم مرکز رہ چکا ہے وہاں اب بھی کچھ ایسے لوگ ہیں جو ان نامساعد حالات میں شعر و ادب کا چراغ جلائے ہوئے ہیں دوسری طرف اس بات کا احساس بھی ہوتا ہے کہ جدید ادبی رجحانات کو قبول کرنے میں اور ان کو برتنے کے سلسلے میں بھوپال کے شعرا بھی کسی سے پیچھے نہیں ہیں۔ پیش لفظ میں عمیق حنفی نے بھوپال کی تہذیبی زندگی کی اہم خصوصیات کے پس منظر میں اس انتخاب کی اہمیت کو واضح کیا ہے۔ شمیم احمد صاحب نے طویل تبصرہ میں جدید اردو غزل کا تفصیلی جائزہ لیا ہے۔

ایک بات جو اس تبصرہ کے سلسلے میں شمیم صاحب سے مجھے اور کہنی ہے کہ انھوں نے فضل تابش کا تذکرہ جس انداز سے کیا ہے اس سے یہ گمان ہوتا ہے کہ شمیم صاحب کو فضل تابش سے کوئی کد ہے۔ کسی علمی جائزہ میں یہ رویہ نامناسب ہے۔ بحیثیت مجموعی یہ انتخاب پڑھنے کی چیز ہے۔

مالک انجمن ترقی اردو ہند علی گڑھ پرنٹر ضمیر الدین قریشی نے مسلم ایجوکیشنل پریس علی گڑھ میں چھاپا اور پبلشر نذیر حسن نے دفتر مرکزی انجمن ترقی اردو ہند علی گڑھ سے شایع کیا